پروفیسر محمد صدیق

اردو کے خوش نویس شعرا

(دوسری اور آخری قسط)

رزاق

حاجی محمد عبدالرزاق خان مرحوم خلف اسحاق خان، خاندانِ حافظ الملک رحمت خان سے تھے۔ دیوان گلشنِ نعت ان کی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۸۸۲ء میں انتقال کیا۔ لیاقت علمی خاصی تھی۔ خوش نویسی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ یہ چند شعر نعتیہ کلام سے منتخب ہوئے۔ (۳)

آدم کو جو سجدہ نہ کیا حکمِ خدا سے — ابلیس ہوا کبر سے پابند بلا کا
رزاق سے رزاق کی ہر دم ہے تمنا — کر مجھ کو سلامی نہ کسی شاہ وگدا کا

زار

منشی برہان الدین خان زار شاہ جہان آبادی شاعر دربار اکبر شاہ ثانی، فارسی، اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ خط شکستہ لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ پہلے اکبر شاہ کے خواصوں کے زمرے میں منسلک تھے، پھر شعرا میں داخل ہو گئے۔ (۳)

چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے — پر کبھی ہم نہ کامیاب ہوئے
کیونکر اس بت کو یہ حالِ دلِ بدنام لکھوں — کب وہ دیکھے ہے خدا کا بھی اگر نام لکھوں

زاہد

سخن ور شوخ طبع سید زاہد حسین زاہد ابن سید علی حسین مرحوم ساداتِ موسوی اثنا عشری اور عمائدِ سہارن پور سے ہیں۔ آپ نے جو حالات لکھ کر بھیجے ان کا یہ خلاصہ ہے کہ ان کے جدِ اعلیٰ عبدالہادی عرف شاہ چراغ سلطان محمود غزنوی کے ہم راہ ہندوستان آئے۔ حضرت زاہد کے دادا حاجی سید اکبر علی مرحوم پہلے مالیر کوٹلہ کی ریاست میں ملازم رہے۔ پھر بہادر شاہ بادشاہ کی سرکار میں معتمدی و کالت کے عہدہ پر ممتاز ہوئے، اور اسی زمانے میں لارڈ کمبر میر کمانڈر انچیف ہند کے میر منشی

کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے ۔ حضرت زاہد کے والد ڈیرہ دون میں وکالت کرتے تھے، لیکن ان کا انتقال ان کی صغر سنی میں ہوگیا، اس لیے جو کچھ قابلیت انھوں نے بہم پہنچائی، اسے اپنے دلی شوق اور رغبت کا نتیجہ کہنا چاہیے ۔ فارسی کی درسی اور عربی کی ابتدائی کتب قاضی محمد غلام عباس منیر شاگرد خواجہ آتش و حضرت دبیر سے اور بعض کتب مولوی غلام حسین شاگرد مولانا صہبائی سے پڑھیں اور انٹرنس کے درجے تک انگریزی مدرسہ میں بھی پڑھا ۔ خداداد ذہانت اور ذوقِ سلیم کی امداد سے اچھی استعداد اور قابلیت حاصل کرلی اور کتب بینی کے شوق سے اُسے درجہ بدرجہ ترقی ہوتی چلی گئی ۔ فنِ شعر کا مذاق فطرتاً طبیعت میں موجود تھا اور شفیق استاد کی فیضِ صحبت اور توجہ سے اس میں فی الجملہ اچھی استعداد بہم پہنچائی ۔ ۱۸۸۶ء سے حضرت امیر کے دمِ آخر تک تخمیناً سترہ اٹھارہ برس ان سے اصلاح کا سلسلہ جاری رہا ۔ محاوراتِ زبان کی تحقیق و چھان بین کا بے حد شوق رہا ۔ اپنے استاد کے عقیدت مند تلامذہ میں رہے، اور ان کی خدمت بھی کرتے رہے ۔ چنانچہ امیر اللغات کی ترتیب میں بھی حصہ لیا ۔ شعر گوئی بطور تفنن طبع کے ہے، ورنہ اس سے صلہ و شہرت کے طالب نہیں ہوئے ۔ کلام میں کثرتِ مشق سے روانی اور پختگی اور بندش میں چستی اور زبان میں شیرینی اور گھلاوٹ پیدا ہوگئی ہے ۔ تخلص کے برعکس ان کے اکثر اشعار میں معاملہ بندی، رنگینیِ خیال اور شوخی کے مضامین پائے جاتے ہیں ۔ زبان میں صفائی اور مضمون میں جدت کا زیادہ لحاظ رکھتے ہیں ۔ خوش نویس بھی ہیں ۔ خلیق، متواضع، پُرگو اور آزاد منش شخص ہیں ۔ اب تینتالیس چوالیس برس کا سِن ہوگا ۔ دیوان مرتب ہوگیا ہے، مگر شائع نہیں کیا ۔ حالات اور کلام مرسلہ کا انتخاب درج تذکرہ کیا گیا ۔ (۴۲)

صحبتِ رنداں سے زاہد مدتوں بچتا پھرا ‌ ‌ ‌ ‌ میکدے میں ہو کے آخر خراب آ ہی گیا
احباب کا دنیا سے سفر دیکھ رہے ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہے ہیں

سپہری

مولوی محمد احمد صاحب خلف مولوی خواجہ انتظام علی ساکن سہارنپور، مہتمم کوتوالی سرکار نظام دکن ۔ اپنے والد کے قیامِ دکن کی وجہ سے اکثر وطن سے دور رہے اور حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی ۔ فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور مولانا فضل رب عرشی سے اصلاح لینے لگے اور انھی

کی رعایت سے سپہری تخلص اختیار کیا۔ عربی، فارسی کی استعداد عالمانہ پایہ کی تھی۔ دری زبان میں اچھا دخل تھا۔ طبیعت میں شوخی، رنگینی بلا کی تھی اور فطری طور پر سخن گوئی کا مادہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے۔ ہر قسم کے خطوط نسخ، نستعلیق، شفیعہ، ریحان وغیرہ پر کامل دسترس تھی۔ دوست نوازی، مروت، زندہ دلی نے ان کو مرجع احباب بنا رکھا تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں مالک کارخانہ فنون حیدرآباد سے کچھ بحث آپڑی تو آپ نے ایک ناٹک "قران السعدین" کے نام سے لکھا۔ ایک اُردو فسانہ موسوم بہ فسانہ محبوب بھی لکھنا شروع کیا تھا، مگر وہ ناتمام رہا۔ ۱۸۹۸ء میں بمقام بیدر علاقہ دکن بہ حیات والد بزرگوار زیب خاک ہوئے۔ ۳۸ برس کی عمر پائی۔ اُردو کے مقابلے میں فارسی کلام پختہ تھا۔ ریختہ اُردو کا نمونہ یہ ہے:- (۵)

کس کا کرتی ہیں انتظار آنکھیں ـــــ بند ہوتی نہیں دمِ آخر
خطا معاف، عبث ہیں جناب کی باتیں ـــــ غضب یہ ہے میرا قاصد یہ مجھ سے کہتا

سحر

سرو بوستانِ فصاحت، چمن پیرائے بلاغت، جواہر رقم، ہفت قلم، جناب منشی دیبی پرشاد صاحب قوم کایستھ خلف منشی چینی لال اخگر، بزرگوں کا وطن بانگر مئو متصل قصبہ سندیلہ تھا۔ مگر آپ ۲۴ دسمبر ۱۸۴۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے اور تکمیلِ تعلیم کے بعد اپنے والد سے استفادۂ سخن فرمایا۔ مدتوں سر رشتہ تعلیم میں ملازم رہے۔ ترقی پاکر ڈپٹی انسپکٹری کے فرائض انجام دینے کے بعد سرکار سے پنشن حاصل کی۔ شباب کے ہنستے کھیلتے دن دہلی اور لکھنؤ میں گزرے۔ کشیدہ قامت، سانولا رنگ، چیچک رو تھے۔ مزاج نفیس اور عطریات کے شوقین تھے۔ عادات و اخلاق کے لحاظ سے شریف اور صاحبِ تصانیف تھے۔ نظم پروین، خلاصۃ المنطق، معیار الاملا، محیط المساحت، مراۃ العلوم وغیرہ کے سوا واسوخت اور دو دیوان آپ کی یادگار ہیں، جن میں ایک کا نام "سحر سامری" ہے۔ آپ بدایوں میں دورِ اول، دورِ دوم کے مشاعروں میں شرکت فرماتے رہے۔ چودھری اصغر علی ضابط، مولوی غنی رضا وحشی مرحوم کے ہم عصر تھے۔

۱۸۹۳ء میں آپ زندہ تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نواب سید محمد زکریا خان زکی مرحوم بقیدِ حیات تھے اور حافظ عنایت احمد صاحب رئیس بدایوں کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا۔ لالہ رام لال راحت

اور منشی گنیدن لال گوہر بدایونی کے یاران صادق میں تھے۔ نہایت علم دوست، کلام کے حسن و قبیح پر کھنے میں اپنے احباب سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ خوش نویسی میں یگانہ، زود گوئی میں مشہور زمانہ تھے۔ آپ نے پنشن لینے کے بعد بھی علمی زندگی اور درس و تدریس کا شغل جاری رکھا۔ طلبا کو کتابت سکھائی اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس وقت صاحبان مطابع ہیں۔ بدایوں میں بہت سے نوجوان آپ کے سرچشمہ علوم سے بہرہ ور ہو کر اس وقت اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کا کتب خانہ برباد ہو گیا اور نایاب قلمی کتابیں پنساریوں کی ردی میں شامل ہو کر کوڑیوں کے مول فروخت ہوئیں۔

منشی انوار حسین تسلیم جو کامل فن اور شعر کے نقاد تھے۔ حضرت سحر کے کلام پر یہ رائے دیتے ہیں کہ آپ محاورہ دان اردو و ہم زبان حضرات لکھنؤ ہیں۔ جو مضمون ہے عالی ہے۔ کلام حشو و زواید سے خالی، بندش کی چستی، الفاظ کی درستی دلوں کو لبھاتی ہے۔

آپ کے کلام معارف نظام میں تصوف اور حقائق کے نکات موجود ہیں۔ صنائع بدائع کے برتنے میں روزمرہ اور سادگی۔ بے ساختہ پن کو زیر نگاہ رکھتے۔ عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں۔ جو وہ سوخت عالم جوانی کے لکھے ہوئے ہیں ان میں دلی واردات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ جادو نگاری کے کرشمہ یہ ہیں۔ (۱۷۰)

نظر آتے ہو سحر عاشق کسی پر	تمھیں ہر گھڑی چشم نم دیکھتے ہیں
پسندیدہ نہ ہو لے سحر کیوں سب کو کلام اپنا	رہے مدتوں دہلی میں چھانا لکھنؤ برسوں
اے سحر جیتے جی نہ رہائی ہوئی نصیب	چھوڑا تو جان لے کے غم ہجر یار نے

سرور

آب و رنگ طلسم بیان، جادو مقال، سحر زبان، ناظم نظم دلپذیر، ناثر عدیم النظیر، سخن ور مشہور و معروف نزدیک و دور میرزا رجب علی بیگ سرور خلف میرزا اصغر علی۔ آپ فسانۂ عجائب کے مصنف اور آغا نوازش حسین خان نوازش کے شاگرد رشید تھے۔ نفاست پسند، خوش مزاج، باسلیقہ انسان تھے۔ ہمیشہ رؤسا نوابوں کی مصاحبت میں رہے۔ ان کو فسانہ نگاری نے پروان چڑھایا۔ یاران انجمن کی محفل سے واجد علی شاہ کے دربار تک پہنچایا، شہرت اور ناموری میں

چار چاند لگتے ہی راجہ بنارس اور مہاراجہ الور کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ مگر بہ مقتضائے "حُبّ الوطن از ملکِ سلیمان خوشتر" لکھنؤ کے لیے ہمیشہ تڑپتے رہے۔

کلکتہ، لکھنؤ، میرٹھ، دہلی، راجپوتانہ وغیرہ کی سیر و سیاحت بھی کی تھی۔ بڑے یار باش اور زندہ دل تھے۔ شرف الدین میرٹھی شعرائے ہند کے یارانِ صادق میں تھے۔ ابتدا میں مرثیہ خوانی کا شوق ہوا، مگر جب اس گروہ میں رنگ نہ جما تو خوش نویسی کی جانب متوجہ ہوئے، گو اعلیٰ درجے کے خوش نویس ہو گئے، مگر کاملانِ فن میں ان کا نام نہ نکلا۔ فنِ موسیقی میں دست گاہ حاصل تھی۔ لیکن نثاری، مقفیٰ اور بلیغ سحر نگاری میں اپنے معاصرین سے بازی لے گئے اور کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ آپ طرح دار خوش وضع جوان تھے۔ جامہ زیبی میں یگانۂ وقت، تُنک مُنک سے درست اپنے زمانے کے زبردست منشی اور قابل مصنف تھے۔ سرورِ سلطانی، شگوفۂ محبت، گلزار سرور، انشائے سرور، شبستانِ سرور وغیرہ کئی کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ مگر سچ ہے کہ فسانۂ عجائب نوردیدۂ ادب ہے۔ جس کا ہر فقرہ رنگینی میں غازہ جمال خوباں اور دلفریبی میں تابش عارض محبوباں ہے۔ عروسانِ مضامین کو آراستہ کرنے میں نہایت عرق ریزی اور جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ ہر بیان میں لکھنؤ کے پری وشاں ماہ رُخ کا جلوہ دکھا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میرزا غالب جیسے دبیرِ روزگار نے فسانۂ مذکور کی تقریظ لکھتے ہوئے اردو میں سرور کو سرخیلِ نثاراں مانا ہے۔ متعدد لوگوں نے اس کا جواب لکھنے پر قلم اٹھایا مگر اس میدان میں کچھ نہ پایا۔ جس طرح اُردو مثنویوں میں گلزار نسیم اور بدرِ منیر لاجواب ہے، اسی طرح فسانوں میں فسانۂ عجائب انتخاب ہے۔ میرزا سرور ۱۲۸۵ھ میں اس دارِ فنا سے راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔ آپ کی نظم، نثر کے مقابلے میں کوئی درجہ نہیں رکھتی ہے۔ کلام یہ ہے۔ (۴۶)

رات کس جا رہا سرور بھلا — آپ کا یہ بھی افترا دیکھا
جب سے اپنا لقب ہوا ہے سرور — روز و شب ہے خمار آنکھوں میں

سلیم

جناب منشی گوبند شنکر صاحب کایستھ لکھنوی خلف تیج بھان عرف لالہ چین سکھ رائے صاحب، آپ کے دادا لالہ سادھو رام صاحب محلہ اشرف آباد لکھنؤ کے قدیم شرفا میں سے تھے۔ سلطانِ عالم

واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ کے عہد میں آپ کو تصنیف و تالیف کا مذاق پیدا ہوا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید احمد میرزا صاحب صابر سے خوش نویسی و علمِ عروض میں دست گاہ حاصل کی۔ پھر محمد میرزا صاحب اُنس شاگردِ رشید حضرت ناسخ کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ منشی صاحب سرکارِ انگریزی میں بھی مختلف عہدوں پر ممتاز رہ چکے ہیں۔ آخر وقت میں آپ ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب بہادر تعلقہ دار کے نائبِ ریاست تھے۔ گو آپ کا کلام لکھنؤ کی قدیم شاعری کا نمونہ ہے، مگر مضمون آفرینی سے خالی نہیں۔ اپنے زمانے کے رنگ کے موافق استعارہ اور تشبیہ کے دلدادہ تھے۔ گو ناسخ کی تحریر کے فریفتہ تھے، تاہم بعض اشعار میں درد بھی ہے۔ بعض بعض شعر ایسے کہتے ہیں کہ بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے۔ معنی بندی میں کسی طرح اپنے ہم عصروں سے کم نہیں۔ نکتہ یاب ہیں، معنی طراز ہیں۔ آپ کا دیوان ۱۳۱۲ھ میں شائع ہو چکا ہے جس کا انتخاب یہ ہے: (۱۰۴)

بولے سعدی یہ غزل سنکر سلیم — شعر کیا تحفے ہیں ہندوستان کے

دیکھو سلیم خنجرِ قاتل کے سامنے — جھپکے نہ آنکھ، منہ نہ دمِ امتحاں پھرے

جب نظر آیا جمالِ یار غش آیا سلیم — وصل کی راتیں شبِ فرقت سے بدتر ہو گئیں

شاطر

مولوی رضا احمد ابن مولوی حکیم نیاز احمد صدیقی۔ آپ بدایوں کے قدیم معزز شرفا سے تھے۔ عربی فارسی میں اچھی استعداد تھی۔ اپنے والد سے فنِ خوش نویسی میں کمال حاصل کیا تھا۔ لطیفہ گو، نکتہ سنج شاعر تھے، سلیس سادہ گو تھے اور شعر میں صفائی کو بلند کرتے تھے۔ بلند شہر، سہسوان میں وکالت کرتے رہے۔ پھر اپنے وطن بدایوں میں آکر وکالت شروع کی۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔ جو دو چار شعر دستیاب ہوئے ہیں درج کیے جاتے ہیں: (۴)

گو ضد سے لاکھ بار کرے بیوفائیاں — لیکن خدا قسم تیری عادت وفا کی ہے

اے اہلِ بزم حضرت شاطر کو دیکھیو — کیسے چلے ہیں بغلوں میں نعلین داب کے

شباب

جناب صاحب زادہ میرزا محمد اختر یار خان صاحب خلفِ صاحب زادہ میرزا برکت علی خان صاحب گلشن آبادی برادر خالہ زادہ نواب غرشہ محمد خان والیِ جاورہ، جناب میاں شاہ نظام الدین

صاحب خلف جناب میاں نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے صاحب کے ہاں ان کی ننھیال تھی۔ میرزا عبدالقادر بیگ دہلوی داروغہ تسبیح خانہ وجواہر خانہ اکبر ثانی و بہادر شاہ آپ کے حقیقی نانا تھے۔ شجرۂ نسب حسب مظہر ہے کہ آپ شریف خاندان ہیں۔ اور آپ کے بزرگوں نے کارہائے نمایاں کیے ہیں۔ آپ کے دادا میرزا غلام چشتی خان صوبہ دار چھاؤنی مہد پور شاہ نظام الدین کے خلیفہ تھے۔ صاحب زادہ صاحب موصوف جاورہ کی پیدائش ہیں۔ پیدائشی نام نیکو اختر (۱۲۸۷ھ) اور یہی سال ولادت ہے۔ آپ نے مولانا عبدالرحمٰن صاحب دہلوی سے فارسی کی تعلیم پائی اور خوش نویسی کی مشق فرمائی۔ ابھی علوم رسمیہ کی تکمیل کا وقت بھی نہ آیا تھا کہ نوعمری میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ لڑکپن سے آپ ذہین اور طبیعت دار تھے، اور آخر ۶۔ ۱۸۹۵ء میں اختر تخلص کیا اور صاحب زادہ میرزا محمد اشرف یار خاں صاحب شرف جو اُن کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے، ان کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد شوق نے پھر دل میں گدگدی پیدا کی اور اختر کی بجائے شباب تخلص اختیار کیا اور شاہدانِ سخن کی اداؤں پر نثار ہونے لگے۔ ۱۸۹۸ء میں جناب داغ مرحوم کے سرچشمۂ تلمذ سے فیض یاب ہوئے۔ ہنستے کھیلتے شعر کہے۔ شگفتہ زمینوں میں زورِ طبع دکھایا۔ قصائد میں ہمیشہ شاہ زادہ مرزا عبدالغنی ارشد سے اصلاح لیتے رہے۔ آپ کا ایک قصیدہ جو تحفۂ احباب در مدحِ نواب سر امیر الدین خان کے نام سے طبع ہو چکا ہے، اس پر حضرت جلال لکھنوی مرحوم نے نہایت عمدہ ریمارک کیا ہے۔ آپ غزل گوئی کے سوا قصائد اور نیچرل نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ریاست مالیر کوٹلہ اور جاورہ کے جلسوں میں آپ سخن ورانِ باکمال سے داد پا چکے ہیں اور سب نے آپ کی تیغ زبان کے جوہر کو مانا ہے۔ صاحب زادہ صاحب موصوف ریاست جاورہ میں عرصہ تک مختلف شعبوں میں ملازم رہے ہیں۔ ہز ہائینس نواب محمد اسمٰعیل خان مرحوم سابق والیِ جاورہ آپ کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور آپ کے خدمات کی قدر کرتے تھے۔ آپ مشہور مقاماتِ ہند کی سیر و سیاحت کر چکے ہیں۔ مہارادت اودے سنگھ کی ہم راہی میں دیولہ پرتاپ گڑھ میں بھی رہ چکے ہیں۔ علمِ موسیقی سے دلی ذوق، مرثیہ خوانی کا بہت شوق ہے۔ آپ نے ایک نیشنل ڈراما بھی تصنیف کیا ہے۔ جس میں نظم و نثر کے دلکش نمونوں کو پیش کرنے میں سحر بیانی کے کرشمے دکھائے ہیں۔ ٹھمری اور فارسی غزل بھی کہہ لیتے ہیں۔ چند قصائد تحفۂ احباب، نور سحر،

ثواب جج کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ طبیعت کا بانکپن اور شوخی اکثر اشعار میں اپنی جھلک دکھا جاتا ہے۔ ۱۳۰۶ھ میں بعمر ۱۹ سال ان کی شادی نواب قاسم جان کے خاندان میں نواب محمد حسین خان کی دوسری بیٹی سے دہلی میں ہوئی۔ اس کے بعد بارہا نواب نصیر الدین احمد خان برادر نواب صاحب لوہارو جو اُن کے ہم زلف بھی ہیں، کے پاس امرتسر، لاہور، بھوانی رہے۔ لوہارو اور کوٹلہ میں ۷۔ ۱۸۹۶ء میں نواب سر امیر الدین احمد کے مصاحب رہے اور کئی ریاستوں میں بطور معتمد بھیجے گئے۔ نواب صاحب ان کی خدمات سے بہت راضی و خوش رہے۔ ۱۹۰۰ء میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور اعزا کے اصرار سے جاورہ میں مستقل قیام ہو گیا۔ ان کے متعلق ایک عجیب اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے بلا کسی قسم کی سابق شناسائی کے اپنا پورا قلمی دیوان جس میں دو ہزار سے زیادہ اشعار ہیں راقم تذکرہ کو بھیج دیا اور پھر جب کبھی کسی غزل یا قصیدے کی ضرورت ہوتی تو اس میں سے نقل منگا لیتے۔ کئی سال خط و کتابت رہی۔ پھر سلسلہ مسدود ہو گیا۔ سالہا سال بعد نواب سر امیر الدین احمد خان صاحب والیِ لوہارو سے ان کے ذکر پر معلوم ہوا کہ جوان انتقال کر گئے۔ افسوس! کلام فصاحت التیام ملاحظہ ہو۔ (۱۲۵)

قصہ ہزار طول ہو زلفِ دراز کا — میری شبِ فراق سلامت رہے شباب
اب تو ہنسنا ہے بے حیائی کا — رنج اور رنج بھی جدائی کا
کوئی تو صورت آشنا ہو گا — کوئے جاناں میں اے شباب اپنا

شگفتہ

شگفتہ: منشی خیراتی لال کایستھ۔ خلف رائے طوطا رام۔ تیز فہم، نکتہ جو، جدت پسند تھے۔ مرزا اصغر علی خان نسیم دہلوی کے تلمیذ و ارادت مند تھے۔ صاحبِ دیوان گزرے ہیں۔ کلام بہت پُر اثر ہے۔ محاورہ بندی نہایت مناسب اور زبان شستہ ہے۔ مضمون آفرینی بھی پسندیدہ ہے۔ کہیں عشق و محبت کا اظہار، کہیں شوق و انتظار کی تصویر، کہیں اشکِ حسرت کی تراوش ہے اور کہیں خونِ آرزو۔ غرض جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس کا نقشہ کھینچ دیا۔ وطن لکھنؤ تھا مگر فیضِ استاد سے کہیں کہیں کلام میں دہلی کا رنگ و بو پایا جاتا ہے۔ ۱۸۹۸ء کو وفات پائی۔ کتابت کے ذریعہ سے بسر اوقات کرتے تھے۔ لکھنؤ چھوڑ کر کانپور کو اپنا وطن بنا رکھا تھا۔

آپ کا دیوان منشی چاند بلی متخلص بہ تکلم نے آپ کی وفات کے بعد شائع کیا۔ مگر افسوس ہے کہ ایک خوش رقم اور مشہور خطاط و خوش نویس کا کلام عمدہ حالت میں اشاعت پذیر نہ ہوا۔ دیوان میں اعلیٰ درجے کا کاغذ لگایا گیا ہے، مگر خط نہایت خراب، چھپائی بالکل معمولی، پھر طرہ یہ کہ شاگردوں نے کلام کی صحت کا بھی لحاظ نہ کیا۔ خیر یہی کیا کم ہے کہ مرحوم کا کلام تاریکی اور گم نامی سے نکل کر روشنی میں آگیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔ (کل اشعار ۳۶۰)

بے جا مصیبتوں کی شکایت بجا نہیں — کیا دخل ہے مشیتِ پروردگار میں
رنجِ تنہائی نہ ہوگا شامِ غربت میں مجھے — ساتھ میرے جائے گی مجھ بے وطن کی آرزو
جو کام آج کا ہے وہ کل پر نہ چھوڑیئے — اس عمرِ مستعار کا ہے اعتبار کیا
زمینِ کوئے جاناں سے بڑھا کر صحبتیں اپنی — شگفتہ دیدہ و دانستہ ہم برباد ہوتے ہیں

شمس

منشی سید ظفیر الدین صاحب ساکن شیر گھاٹی، محلہ شمالی، ضلع گیا (صوبہ بہار) ۱۳۱۱ھ سالِ ولادت ہے۔ فارسی اردو کے درسیات اپنے مکان پر پڑھنے کے بعد سیاحت کا شوق دامن گیر ہوا۔ کلکتہ، رنگون وغیرہ مختلف مقامات پر رہے۔ شعر و سخن کے علاوہ فنِ سپاہ گری میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ جوان، رعنا، ذہین و خوش فکر ہیں۔ اردو نثر کی تحریروں میں آپ کی ڈراما نویسی بھی قابلِ قدر ہے۔ کئی ڈرامے لکھے ہیں۔ فنِ نقاشی اور مختلف قسم کے خطوط صنعتی لکھنے میں خاص مہارت ہے۔ اوائلِ عمری سے شاعری کا مذاق ہے۔ مولانا شفق عماد پوری کو اپنا کلام دکھاتے ہیں اور ان کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔ (۱۱)

جب کلیسا کو گئے خانہ کعبہ سے گئے — شمس جب کعبہ میں آئے تو کلیسا ہو کر
نہ آئی نیند مجھ کو دیدۂ بیدار کی صورت — پھری آنکھوں میں پتلی بن کے شب بھر یار کی صورت

شمس

منشی محمد شمس الدین صاحب خوش نویس لکھنوی شاگرد خواجہ محمد مرتضیٰ خان بہادر بقا لکھنوی۔ مطبع سرکاری بک ڈپو لاہور میں مدتوں مؤلف تذکرہ ہذا کے عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب کے ماتحت کام کرتے رہے۔ متعدد قطعے ان کے ہاتھ کے موجود ہیں۔ بعد کو لکھنؤ جا کر مطبع

نولکشور میں ہیڈ خوش نویس رہے۔ تمام شمالی ہندوستان میں ان کی فنِ خطاطی کی مہارت اور نستعلیق کتابت کی شہرت تھی۔ فنِ سخن میں بھی مشق تھی۔ ذہن کی رسائی مضامین سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اسّی برس سے زاید عمر پاکر انتقال کیا۔ یہ ان کا کلام ہے۔ (۳)

دانہ ہائے سبحہ سے لیکر امام سبحہ تک ——— سلسلہ دوڑا ہوا ہے رشتہ زنار کا
حضرت اُستاد تو ہیں آسمانِ شاعری ——— شمس میں ہوں، کیوں نہ ہو شہرہ مرے استاد کا

شوخ

میر اقدار علی صاحب، قدیم وطن بلگرام ہے۔ مگر ان کے والد ماجد مولوی سید فرخند علی سانڈی ضلع ہردوئی میں جا رہے۔ اس وقت سے یہی ان کا وطن ہو گیا۔ حضرت شوخ نے طبیعت بہت چلبلی اور شوخ پائی ہے۔ اسی وجہ سے ان کے استاد حضرت امیر مینائی نے ان کا تخلص شوخ تجویز فرمایا۔ فارسی و عربی کی تکمیل کے بعد انھوں نے خوش نویسی، شناوری اور فنِ سپاہ گری میں بھی کمال پیدا کیا۔ پھر انگریزی میں انٹرنس پاس کر لیا۔ شاعری کا مذاق فطری تھا۔ حضرت امیر مینائی کے فیضِ اصلاح سے طبیعت میں اور بھی روانی پیدا ہو گئی۔ مگر زیادہ دنوں جناب امیر سے استفادہ نہ کر سکے تھے کہ انھوں نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم شاگرد رشید آفتاب الدولہ قلق لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ اب طبیعت بہت منجھ گئی ہے اور اصلاح کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہردوئی میں ماسٹر ہیں۔ ہردوئی میں حکام کی طرف سے کوئی جلسہ ہوتا ہے تو یہ نظم پڑھنے کے لیے ضرور یاد کیے جاتے ہیں۔ ہندی شاعری سے بھی ذوق ہے۔ اپنے کلام کو دلکش لہجہ اور انداز سے پڑھتے ہیں۔ پُر تاثیر شعر ہوتا ہے۔ زبان کی شُستگی اور بیان کی سلاست، شوخی اور متانت کا پہلو لیے ہوئے ہوتی ہے۔ روزمرہ صاف ہے۔ اب انتخابِ کلام نذرِ ناظرین ہوتا ہے۔ (۱۷)

اس طرح سے دل محو تصور ہے کہ ہر دم ——— آنکھوں میں پھرا کرتی ہے تصویر کسی کی
شوخ ہے آٹھ پہر دل میں حسینوں کا خیال ——— بندۂ عشق ہیں، ہم یاد خدا کیا جانیں

شوخ

سید علی متقی خان شوخ خلف سید علی مجتبیٰ رئیس امروہہ، استعداد عربی و فارسی معقول ہے۔

انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ نہایت سلجھی ہوئی طبیعت ہے اور بہت سنجیدہ مزاج ہیں۔ جس زمانے میں مولانا محمد علی مرحوم نے اول مرتبہ "ہمدرد" جاری کیا تھا آپ بھی عملہ ادارت میں شامل تھے۔ تقریر اور تحریر دونوں باتوں میں اچھا دخل ہے۔ میونسپل کمشنر اور سینئر وائس چیئرمین رہ چکے ہیں۔ خط بہت پاکیزہ ہے۔ فن شعر میں سید محسن حسین صاحب شگفتہ امروہوی سے تلمذ رہا ہے۔ چالیس سال کے قریب عمر ہوگی۔ عرصہ سے شغلِ شعر گوئی ترک ہے۔ ایک غزل جو رسالہ اعجاز امروہہ میں شائع ہوئی تھی، جناب منظور حسین صاحب افسر صدیقی نے کراچی سے روانہ فرمائی ہے۔ اس کا انتخاب حاضر خدمت ناظرین ہے۔ (۵)

پیام موت ہے حکم رہائی — ہوئی میعاد پوری قید غم کی
دکھا دے صورت اس پردہ نشیں کی — تو سمجھوں کچھ حقیقت جام جم کی
اسی نے دل دکھایا خوب اے شوخ! — توقع ہم نے کی جس سے کرم کی

شوریدہ

شیخ سلطان دین، برہان پور میں وطن تھا۔ ایک عرصہ تک اورنگ آباد میں بھی قیام رہا تھا۔ خطِ نستعلیق خوب لکھتے تھے۔ پہلے سلطان تخلص کرتے تھے، اس کے بعد تشہیر، بعد کو شوریدہ ہو گئے۔ یہ اشعار ان کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہیں۔ (۴)

یک رنگ ہیں کئی رنگ بناتا ہے رنگیلا — ہر طرح میں کئی طرح دکھاتا ہے رنگیلا
رنگین ادا سے جب تو گیا باغ میں سجن — ہر نقش پا زمین پہ نقشِ گل کے دستے تھے

شہید

جناب منشی محمد بخش شہید ابن منشی خدا بخش خوش نویس، باشندہ قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی، شاگرد حضرت ناسخ و میر علی اوسط اشک مرحوم۔ جناب شہید نے محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ بادشاہانِ اودھ کا زمانہ دیکھا۔ ۱۲۴۳ھ میں ان کے والد منشی خدا بخش کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ انھوں نے خواجہ وزیر اور حضرت اسیر کی صحبتیں اٹھائی تھیں۔ ان حضرات کے مکانوں پر جس جس طرح میں مشاعرے ہوا کرتے تھے، ان میں ان کی غزلیں موجود ہیں۔ ۱۲۷۷ھ میں حیات تھے۔ سنِ وفات نہ معلوم ہو سکا۔ شباب و شیب کا زمانہ لکھنؤ کے شعرا کی صحبتوں میں

گزرا۔ خوش فکر اور قادر الکلام شاعر تھے۔ رعایتِ لفظی کے دل دادہ تھے اور اپنے استاد حضرت ناسخ کے پیرو۔ بڑی بڑی مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کے جوہر دکھائے ہیں۔ کوئی شعر مضمون آفرینی اور جدت طرازی سے خالی نہیں۔ لیکن سوز و گداز ان کے کلام میں کم نظر آتا ہے۔ مگر یہ مجبور تھے، کیوں کہ وہ زمانہ ایسی ہی شاعری کو پسند کرتا تھا۔ ہر طرف گل و بلبل کے افسانے اپنا رنگ جمائے ہوئے تھے۔ شہید کا کلام اپنے معاصرین کے کلام سے کسی طرح کم نہیں۔ قصائد، غزلیات، رباعیات، مثنویاں اور تاریخیں کثرت سے کہی ہیں۔ کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب شیعہ تھا اور اپنے عقاید کے بہت سخت پابند تھے۔ اچھے پُر گو شاعر تھے۔ مگر جیسا کہ اس زمانے کا مذاق تھا، کلام میں رکاکت اور ابتذال کی کمی نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کلام میں اکثر فارسی اشعار کے ترجمے بھی ملتے ہیں، مگر یہ کوئی عیب نہیں، سوال سلیقۂ ادا کا ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔ (۴۹)

نام آیا جب آشنائی کا — پھر گلہ کیا ہے بے وفائی کا
بیٹھے کیا ہو چلو شہید کہیں — وقت ہے قسمت آزمائی کا

اثرِ تربیتِ حضرتِ ناسخ ہے شہید — شہرہ کیونکر نہ بھلا میرے سخن کا ہوتا

صبا

منشی گوبند لال پسر منشی گوکل چند لکھنؤ کے متوطن تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں عمر ۶۰ سال تھی۔ سرکار رام پور میں ملازم تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کے ماہر تھے اور بقول امیر احمد مینائی مرحوم "معانی، بیان، عروض، قافیہ، معما، حساب، جبر و مقابلہ، جغرافیہ، تواریخ، مساحت، فلاحت میں دست گاہ، نقاشی، مصوری و خطِ نستعلیق و ناگری و انگریزی سے آگاہ"۔ فارسی، عربی، اردو ہر سہ زبان میں شعر کہتے تھے۔ فارسی کلام زیادہ ہے۔ تذکرہ انتخاب یادگار سے دو شعر انتخاب کر کے نذرِ ناظرین ہیں۔

گرمیاں وہ کر کے غیروں سے جلاتے ہیں مجھے — میں مسلماں جیتے جی ہندو کا مردہ ہو گیا

ذکرِ خال و خط بھی روئے صافِ جاناں میں نہیں — زاغ و طوطی کی حکایت اس گلستاں میں نہیں

ظہور

مولوی محمد ظہور علی دہلوی مرحوم خلف مولوی فتح علی خان بہادر ۱۲۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

کتبِ درسیہ مفتی صدر الدین خان آزردہ سے پڑھیں۔ اوائلِ مشقِ سخن میں چند غزلیں شاہ نصیر اور حکیم مومن خان کو دکھائیں، بعد ازاں ذوق مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ ملازمت پیشہ اور مشہور خوش نویس تھے۔ پہلے مدت تک تھانے دار رہے۔ پھر سررشتۂ تعلیم میں مدرس فارسی مقرر ہوئے۔ سرکارِ شاہی سے شمس الشعراء کا خطاب ملا تھا۔ ۱۲۸۶ھ میں بعمر ۶۵ سال انتقال کیا۔ ان کے والد سرکارِ انگریزی کے جاگیر دار تھے۔ گورنر جنرل ہند نے بمقام دہلی ۱۸۲۲ء میں بصلہ مدح گستری انھیں خلعتِ فاخرہ عنایت کیا تھا۔ سرکار شاہی سے بھی اکثر انعام و اکرام ملتے رہتے تھے۔ ان کے چھوٹے بیٹے منشی ذوالفقار حسین مدرسہ دہلی میں مدرس تھے اور انھوں نے غنی تخلص اختیار کیا تھا۔ ظہور مرحوم کو معما میں بڑا کمال تھا۔ اس فن میں ایک رسالہ جس میں معما حل کرنے کے قاعدے لکھے تھے، نظم میں مرتب کیا تھا۔ اس کتاب کو مرزا قادر بخش گورگانی نے طبع کرایا تھا، مگر یہ نسخہ ایام غدر میں تلف ہوگیا۔ دیوان مطبوعہ میں بیشتر حصہ غدر کے بعد کی تصنیف ہے۔ قصیدے اور مرثیے بھی خوب کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی اچھا ملکہ تھا۔ ظرافت اور بذلہ سنجی میں مشہورِ زمانہ تھے۔ فکر بلند اور مضامین دلپسند ہیں۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ (۱۰)

غنی کو ایک لمحے میں یہاں ہوتے گدا دیکھا —— گدا کو اے ظہور اکدم میں دیکھا یاں غنی ہوتے
کب تک جیا کرے کوئی اس انتظار پر —— تسکینِ دل ہو کیا تیرے قول و قرار پر

عارف

سید عارف علی عرف پیرجی صاحب ساکن ریاست الور مقیم حال کوٹہ، خطہ راجپوتانہ۔ آپ نے فارسی کی کتبِ درسیہ مولوی امیر علی صاحب ناز نولی سے پڑھیں۔ جھالرا پاٹن کے ہائی سکول میں تعلیم پائی۔ وہیں محکمہ حساب میں اہل مد تھے۔ اب ریاست کوٹہ کے اکونٹنٹ آفس میں ملازم ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں جب ریاست جھالرا پاٹن کے دو مثلث علاقے کا کوٹہ کی ریاست سے الحاق ہوگیا تو اس کے ساتھ ملازمین کا جمِ غفیر بھی کوٹہ آگیا۔ اسی سلسلے میں آپ کو بھی منتقل ہونا پڑا۔ ابتدا میں منشی عبدالشکور خان صاحب برق اجمیری سے اصلاح لیتے رہے۔ کوٹہ میں مولوی نذیر حسین صاحب فتنہ سندیلوی سے رسم دوستانہ قائم ہوجانے پر اُن سے مشورۂ سخن جاری رکھا۔ ترتیب تذکرہ کے وقت آپ کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ کلام میں شگفتگی، طبیعت میں جدت اور آمد ہے۔ آپ

خوش نویس بھی ہیں۔ اشعار ذیل آپ کے کلام سے انتخاب کیے جاتے ہیں۔ (۲۰)

آتی ہے نظر خدا کی قدرت   جب اُن کا جمال دیکھتے ہیں

نہ طریقے کی محبت نہ قرینے کا ستم   نہ وفا آتی ہے تم کو نہ جفا آتی ہے

نہ نکلا کام کچھ آہ و فغاں سے   نہ بدلہ لے سکے ہم آسماں سے

عالی

سید محب اللہ الرفاعی الملقب نواب میر منور علی خان بہادر، آپ کے جدِ اعلیٰ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں مچھلی بندر اور ارکاٹ (حصہ ملک دکن) کے صوبے دار تھے۔ اس خاندان کا سلسلہ سید احمد کبیر رفاعی تک پہنچتا ہے۔ اس قبیلے کی صاحب زادیاں شاہی خاندان اور والیانِ سلطنت سے بیاہی گئی ہیں۔ آپ کے والد نواب مظفر جنگ مرحوم حضرت آصف جاہ خامس والیِ دکن کے نواسے تھے، جو اپنے زمانے کے فاضل اجل، خطاط ہفت قلم اور فارسی کے عمدہ شاعر شمار کیے جاتے۔ وہ آخر دم تک صیغہ امورِ مذہبی کے ناظم رہے۔ درویش صفت، برگزیدہ صفات، نیک خُو تھے۔ دودمانِ آصف جاہی کی اکثر شاہ زادیاں آپ کے خاندان میں منسوب ہوئیں۔ انھوں نے نظام گورنمنٹ میں تین سال کنبٹ کونسل میں رہ کر اپنی انتظامی قابلیت کا نقش دلوں پر بٹھا دیا۔

حضرت عالی کو لڑکپن سے شاعری کا شوق تھا۔ ابتدا میں نشتر تخلص کرتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی فہمائش سے اس تخلص کو چھوڑا اور عالی تخلص کیا۔ اس زمانے میں آپ کی عمر چودہ، پندرہ برس کی تھی۔ پہلے آپ سید محمد کاظم حسین شیفتہ کنتوری مرحوم کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ پھر ان کے بعد کبھی اپنا کلام سید حیدر علی صاحب نظم طباطبائی لکھنوی حیدر یار جنگ کو دکھاتے رہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ اپنے دادا نواب فریدوں جنگ رفیع الدولہ حیدر الملک ثانی مرحوم کی نگرانی میں گزرا۔ پھر آپ کے والد بزرگوار نے تعلیم پر دلی توجہ فرمائی۔ آپ عربی اور فارسی میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔ خوش نویسی باپ سے ورثے میں ملی ہے اور چار خطوط میں کمال حاصل ہے۔ آپ کو اصلاحِ زبان اردو اور محاوراتِ الفاظ کی تحقیقات سے خاص دلچسپی ہے۔ آپ نے ایک انجمن اربابِ اردو کی بنا ڈالی تھی، جس کے معتمد اعزازی رہے۔ رسالہ تحفہ

کے مدیرِ اعلیٰ تھے۔ آپ نے ایک ضخیم کلیات قدما کے طور پر مرتب کیا ہے، جس میں تقریباً دس ہزار بیت ہیں اور ایک دیوان بھی مرتب کیا ہے۔ جدید وضع کی شاعری میں خامہ فرسائی کی ہے۔ کلام میں شوکتِ الفاظ کے ساتھ شوخی اور متانت بھی ہے۔ نہایت پُرگو اور زود فکر ہیں۔ گو آپ دہلی اور لکھنؤ کی بے جا پیروی کو حلقۂ غلامی سمجھتے ہیں اور خذ ما صفا کے موید ہیں، لیکن کلام کا زیادہ حصہ قدمائے لکھنؤ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

حضرت عالی سلیم الطبع، منکسر المزاج، کم سخن، درویش صورت و درویش سیرت، خوش اخلاق، گوشہ نشین، حنفی المذہب، صوفی مشرب ہیں۔ مولفِ تذکرہ کو جو کلام روانہ کیا گیا تھا، اس کا انتخاب درج ذیل ہے۔ (۴۸)

کہوں کیا محبت کی تکلیف عالی — جو گزری ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

مری آنکھوں سے جو دیکھو آئینہ — تم بھی رہ جاؤ کلیجہ تھام کے

حیف اے دل تو نہ سمجھا عمر بھر — عمر گزری تجھ کو سمجھاتے رہے

سیاستِ شرعیہ :- از مولانا رئیس احمد جعفری

حکومتِ الٰہیہ کے داعیوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن یہ بتانے کی زحمت اب تک کسی نے برداشت نہیں کی ہے کہ حکومتِ الٰہیہ اپنی وضع و ہیئت کے اعتبار سے کیا ہوگی؟ عوام، خواص اور سربراہِ مملکت کے مابین کیا روابط ہوں گے؟ حکومت کی آمدنی کے وسائل کیا ہوں گے؟ وہ خرچ کس طرح کیسے جائیں گے؟ آزادیٔ فرد کی حدود کیا ہوں گی؟ کن کن معاملات و مسائل میں عوام کی آزادی غیر مشروط ہوگی اور کہاں پابند کی جا سکے گی؟

مصر کے مشہور اہلِ علم اور صاحب قلم علامہ عبدالوہاب خلاف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں انہی مسائل پر بڑی دقت نظر سے روشنی ڈالی ہے جس کا سلیس شگفتہ ترجمہ ادارہ نے شائع کیا ہے۔

صفحات ۲۶۷ قیمت

ملنے کا پتا :- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور